اُن پر ڈھائے جا رہے ہیں مگر نہ آپ بھی اللہ تعالیٰ کے گرفت سے نہیں بچو گے۔ ایران کے جو باطل جذبات رکھنے والے لوگ (کمیونسٹ، سوشلسٹ، بہائی

اور دینی و مذہبی درد رکھنے والے لوگوں اور تنظیموں پر ہو گی۔ ہم اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ ایرانی مکار حکمرانوں کے

سُنّی علماء اور طلباء کو پابندِ سلاسل کر دیا گیا ہے۔

یہودی و سبائی، تبرائی، رافضی) وہاں سے بھاگ کر یہاں آتے ہیں یا کسی اور ملک میں جلتے ہیں۔ تمام باطل قوتیں ان کا آغوشِ باز سے استقبال کرتے اور ان سے اظہارِ ہمدردی اور تعاون کرتی ہیں۔ لیکن یہ بہت افسوس ہے کہ مسلمان تمام تر امکانات کے باوجود اپنے ان مظلوم بھائیوں پر ترحم نہیں کرتے اور انکو تسلی تک نہیں دیتے

وحدت امت اور نام نہاد اسلامی انقلاب کی آڑ میں مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھائے جا رہے ہیں

اور جو سُنی مسلمان ہجرت کر کے یہاں آجائے مجبور ہو جاتا ہے کہ اسلام دشمن تنظیموں سے پناہ طلب کر کے اُنکی وساطت سے اپنی مشکلات کو کچھ کم کر سکے اور اس احسان کے بدلے میں اپنے دین و مذہب حقّہ سے ہاتھ دھو کر اُن کا تابع ہو جاتے۔ اس صُورتحال کی تمامتر ذمہ داری اسلامی ممالک کے سربراہان۔ علماءِ اسلام

خوش نما نعروں اور دلفریب باتوں سے دھوکہ نہ کھائیں۔ ایران کی موجودہ حکومت کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے

شیعت چھوڑ کر اسلام قبول کرنے والے تمام علماء اور نوجوان پابندِ سلاسل ہیں۔

کے خلاف ایک سازش ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ اور ہم سب کو دورِ جدید کے تمام فتنوں سے بچائے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِين

بقیہ از صفحہ ۶۳

آخر میں خدائے وحدہٗ لاشریک سے دُعا ہے کہ وہ اپنی رحمت کا رشتہ قائم رکھے اور اس مُلک و قوم کی حفاظت فرمائے اور اپنے دین کا راستہ روشن کرے۔ اُس دین کا راستہ جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس امّت کو بتلایا ہے۔ آمریّت اور جمہوریّت دونوں سے نجات عطا کرے۔ خدا کی راہ میں آمریّت اور جمہوریّت دونوں ہی نہیں آتیں۔ یہ دونوں بہنیں ہیں اور ایک دوسرے کو نہایت پسندیدگی کے ساتھ اکٹھے رہنے کا یقین دلاتی رہتی ہیں۔ خدا ان سے ہم سب کو اپنی امان میں رکھے۔ (آمین)

[بشکریہ ہفت روزہ "زندگی" لاہور ۱۰ تا ۱۶ نومبر ۱۹۸۹ء]

ایک ہفتہ
رووالپنڈی میں

رُودادِ سفر — فکر و نظر — احرار کا نقطۂ نظر

ملاقاتیں — گفتگوئیں — بیانات

سید عطاء المحسن بخاری

راولپنڈی پاکستان کے چیدہ شہروں میں سے ایک گھمسان کا شہر ہے۔ اس کے بازار تجارتی دھکم پیل کے بہت بڑے مرکز ہیں خصوصاً توڑاں بازار، اردو بازار، موچی بازار اور راجہ بازار میں سے آدمی پیدل بھی خاصی گھمٹ دھکے بعد فراتِ بنی آدم عبور کر پاتا ہے۔ ضروریات زندگی کی ہر چیز انہی بازاروں میں تھوک و پرچون فراوانی سے دستیاب ہے۔ مارکیٹ ریٹ نسبتاً اعتدال کی زد میں ہیں۔ بعض بڑے تاجر جن کی زرداری کی بھوک کبھی نہ ختم ہونے والی "جوع البقر" ہے۔ ان کے ہاں اعتدال نامی نعمت عنقا ہے اور بڑا تاجر تو ہر دلیس کا خونی پنجے رکھتا ہے جو انسانی خون نچوڑنے کی مہارت تامہ رکھتا ہے اس کے ہاں انسانی ضرورتوں کی پاسداری کا تصور ہی نہیں ہے۔ چاہے اس نے دس حج کئے ہوں۔ اور وہ سب سے بڑے پیر دیول کا مرید ہی کیوں نہ ہو اس کے ہاں جس فکر کی ریل پیل ہے وہ ہے ڈیلی ٹارگٹ کی ACHIEVEMENT — ! وہ چاہے تو اشیاء پر صرف کی قیمتوں کو آپ کرشے اور چاہے تو ڈاؤن — ! گویا وہ خدا بزر ہے — مولوی کو چندہ دیگا تو اس لئے کہ اسکی گڈول کی گرد تھ ہو، پیر کو نذرانے کی بھینٹ چڑھاتا ہے تو اس لئے کہ پیر کی دعاؤں سے مال دوگنا ہوگا۔ مسجد و مدرسہ میں مال لگائے گا تو اپنے نام کی تختی لکھوائے گا تا کہ بھکاری مولوی اس کے دروازے پہ نت دستک دیتا دکھائی دے۔ سیاسیات میں سیاسی مسافروں کا سفرخرچ برداشت کریگا تو اس سے مفادات کی کومٹ منٹ کریگا۔ ہماری اصطلاح میں اس رد یے اور عمل کا نام "یہودیت" ہے جس کا بانی عہد حاضر کا موجد آدم سمتھ ہے اور اس کا مخلص پیرو کار ہر بڑا سیٹھ ہے۔ نفسانی آلودگیوں کے اس شہر میں آزادیوں کی علم بردار خاتون بھی اپنی تمام تر آن بان کے ساتھ جلوہ فرما ہے۔ بازاروں میں یوں گھوم رہی ہے جیسے ہندو مت کی گاؤ ماتا۔ لیکن ہندو گاؤ ماتا کی پوجا کرتا تھا اور مسلمان اُسے روز ذبح

کرسے بھونوں کے کام و دہن کی لذت بڑھاتا تھا اور اس عمل و ردِّ عمل کے نتیجہ میں ہندو مسلم فسادات ہوتے تھے مسلمانو اور ہندوؤں کے بہت سے جیالے اس یدھ میں چنگھاڑتے سورگ ہو جاتے تھے۔ اب تو وہاں ہندو ھیں نہ ہندو مت بلکہ دو قومی نظریہ کے بچاریوں کی آزادبستی ہے اور اسمیں نہ تکی گاتے خرداری کی طرح کیوں گھوم رہی ہے صرف اس لئے کہ فرائیڈ کی جنسی نسل نظری، قلبی اور جسمی سکون پا سکے اس نسل کو سکون کی ضرورت ہے۔ جس سکون کو مشینوں کی گڑگڑاہٹ، ٹریفک کے شور اور زرداری کے فلسفہ نے اجاڑ کر رکھدیا ہے۔ اس اجاڑ موسم میں بانجھ دھرتی پر سکون کا حاصل کرنا جدلیت کے بغیر چونکہ ناممکن ہے اس لئے کارل مارکس یہودی کے فلسفہ جدلیت کی کاشت بہت ضروری ہے اور خزاں کے اس موسم سے بہتر کوئی موسم اسکی کاشت کیلئے بہتر نہیں اس فلسفہ کا جدید ترین انرجی والا بیج عورت ہے۔ عورت اور اس کا یہ بیج بڑی فراوانی کے ساتھ سستے داموں مہیا کیا جا رہا ہے تاکہ انسان دوستی اور خدا پرستی کی فصل بارآور ہو سکے اور ہماری اصطلاح میں اسکو بھی یہودیت کہتے ہیں۔

راولپنڈی سے میرا رشتہ بہت پرانا ہے۔ پاکستان سے پہلے مجلس احرار اسلام کے اکابر یہاں تشریف لاتے تھے تو جہلم، کیمبل پور، پنڈی اور ہزارہ کے مسلمان جوق در جوق اکابر احرار سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چودھری افضل حق اور شیخ حسام الدین رحمہم اللہ کی کھری کھری اور سچی باتیں سننے کیلئے جمع ہو جاتے تھے۔ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ جدید و قدیم تہذیب کا سنگم تھے۔ جہاں علماء کرام ان کی مجلس میں بیٹھ کر اعزاز پاتے۔ وہاں جدید ذھن کے ورکر بھی سکون پاتے۔ چونکہ یہ علاقہ انگریزوں کی صحبتوں میں ڈھلا ہوا تھا اس لئے وہاں فرنگی سامراج کے خلاف بات کرنا لوگوں کو اچھا نہ لگتا تھا۔ حتیٰ کے بعض علماء اور پیرانِ عظام تو لنگر لنگوٹ کس کے مقابلہ پر آجاتے اور ماحول کو گدلا دیتے حضرت امیر شریعت فرماتے "میں اکثر اس علاقے میں نصرانیت اور یہودیت کے خلاف قرآن کے حوالے سے گفتگو کیا کرتا تھا کہ قرآن مجید میں اللہ نے دو قوموں کو اپنا دشمن قرار دیا ہے:

"ایمان والو یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ یہ آپس میں تو ایکدوسرے کے دوست ہیں تم میں سے اگر کسی نے انھیں اپنا دوست بنایا تو وہ انھیں میں سے ہوگا (یہ ظلم ہے) اور بے شک تحقیق اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا[۱]"

اور بھی جتنی آیتیں تھیں میں نے پڑھیں ان کا ترجمہ کیا اور یہود و نصاریٰ کی اسلام اور مسلم دشمنی سے کے

---

۱ سورۃ مائدہ پ۶ آیت ۵۱

واقعات بیان کئے ان کے مکروفریب اور ظلم و استبداد کو طشت از بام کیا تو اچانک ایک صاحب جو ظاہری شکل و صورت سے کوئی مولوی صاحب ہی معلوم ہوتے تھے بول اٹھے کہ شاہ صاحب آپ کو قرآن میں سے صرف وہی آئتیں یاد ہیں جو ان کے خلاف ہیں اور کوئی آیت آپ کو نہیں آتی؟ میں نے کہا جی ہاں مجھے تو یہی آیات آتی تھیں جو میں نے سنا دیں میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جنہوں نے (اور تم میں سے) ارباب اختیار اور لارڈ کلائیو، کرنل ہڈسن، لارڈ کرزن جیسے قاتلوں، ڈاکوؤں اور رہزنوں کو وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کا مصداق قرار دیا تھا! مولانا آپ کا رشتہ کہیں انھیں پیروں اور مولویوں سے تو نہیں۔ جن کے دل میں انگریز کی محبت اور ان سے وفا گھر کر چکی؟ مولوی نما برطانوی نمک خوار —————— اپنا سا منہ لیکر چل دیا اور پلٹ کے دیکھا تک نہیں"۔ اب بھی مجلس احرار اسلام کے پرانے وفاداروں میں کچھ لوگ ستارہ صبح کی مانند جھلملا رہے ہیں۔ اُن سے ملنے نکلا تو اوّلیت مولانا میرزا سک صاحب کو دی۔ مولانا بنی مارکیٹ میں پانچ فٹ مربع کی ایک دکان میں اپنی دنیا سجائے بیٹھے ہیں تفسیر قرآن کریم، تاریخ قدیم و جدید اور ہومیو پیتھک کی سیکڑوں شیشیاں۔! ایسے لوگ جن کی روح اور جسم تو بیمار ہے مگر آنکھ صحت مند ہے اور عقل توانا، وہ شفا کی تلاش میں نکلتے ہیں تو انکی نگاہ میرزا سک پہ ٹک جاتی ہے۔ میر صاحب جو کبھی نیم دراز ہوتے ہیں اور کبھی چہار زانو مریض کو دیکھ کر دوا شیشی میں ڈال دیتے ہیں اور دعا رفضا میں تحلیل کر دیتے ہیں تاکہ مریض فضائی آلودگیوں سے بھی بچ رہے اور جلد صحت یاب ہو جائے بسیکڑوں مریض جو شفایاب ہوئے۔ میر صاحب انہیں اپنا شاگرد کہتے ہیں۔ میر صاحب ان تک اپنا نقطۂ نظر پہنچانے میں قطعاً بخل سے کام نہیں لیتے مگر....

ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید

جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

بے مہری ایام کو کیا کہیئے کہ شخصیت کا حوالہ فکر نہیں نقد و زر ہے۔ زرداری کی ہوس اور شخصیت سازی کی بوالہوسی نے انسان کو کہاں پہنچا دیا ہے۔

بے دلی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

بے کسی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق

مجلس احرار اسلام کی تازہ مطبوعات میں سے "قادیان سے اسرائیل تک" بڑے معرکے کی کتاب

ہے ۔ میر صاحب نے اس کے متعلق پوچھا تو اُنہیں وہ پیش کی گئی ۔ فرمانے لگے یہ اپنے شاگردوں تک پہنچاؤں گا ۔ میں نے عرض کیا حضرت اس عنایتِ خسروانہ کا اس جہاں میں تو کوئی صلہ نہیں ہے آپ کب تک ان بے مہر شاگردوں کی بیماریوں میں اضافہ کرتے رہیں گے ان سے قیمت ضرور وصول فرمائیں میرے دوسرے ساتھی شیخ جمال الدین محمد انور بول اُٹھے کہ شاہ صاحب ! اب میر صاحب نے علاج بالقدبھی شروع کر دیا ہے ۔ شیخ جمال الدین محمد انور بھی احرار ساتھی ہیں ۔ شباب کی منزلوں سے ڈھل کر کہولت کی وادی میں اُتر چکے ہیں اور دھیرے دھیرے قدم بڑھاتے ہوئے شیخ کی منزل مراد پر پہنچنے کی روانی میں ہیں ۔ آپ بھی ہومیوپیتھک کامیاب پریکٹیشنر ہیں لیکن آغازِ شباب کی لاؤبالیوں کے اثرات ابھی تک ان کی شخصی اور جماعتی زندگی کو گھیرے ہوئے ہیں نہایت مخلص وفادار اور سچے ساتھی ہیں ۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی شخصیت سے بے پناہ حد تک متاثر بلکہ مرعوب ہیں بقول اقبال " اشتراکی کوچہ گرد " انہیں مولانا کہتے ہیں ۔ کیونکہ ان کی گفتگوؤں کا حوالہ قرآن کریم ہے شیخ صاحب پاکستان میں قرآن کے ریاستی نظام پہ اشتراکیوں سے تفصیلی گفتگو کرتے ہیں انہیں متانت کیساتھ قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ مگر وہ ہر بات کا توڑ مارکس کی جدلیات کے حوالے سے تلاش کرتے ہیں حالانکہ اب یہ بات فلسفہ نہیں واقعہ ہے کہ مارکس کا فلسفۂ جدلیت ایشیا میں چاردں شانے چت ہوگیا ہے اور گورباچوف کی انسان دوستی افغانستان میں خون کے آنسو رو رہی ہے اور خدا پرستی میں اضافہ کر رہی ہے ۔ پھر ہم مرزا غلام قادر صاحب کے ہاں چلے گئے ۔ مرزا صاحب ہمارے بہت ہی ہنس مکھ ، مرنجان مرنج ، خوش دل اور وسیع القلب ساتھی ہیں ۔ جب احرار سے وابستہ ہوئے ، بس احرار کے ہو کر رہ گئے ، سیاسی نشیب و فراز میں اپنی رائے ضرور رکھتے ہیں مگر کسی پہ دباؤ نہیں ڈالتے جچی تلی گفتگو کرتے ہیں اور مزدوری کر کے بچوں کی روزی کماتے ہیں ۔ بڑی مروّت سے پیش آتے ، ترجمانِ احرار ، ماہنامہ نقیب ختم نبوۃ کی ترویج و اشاعت کے لئے سرگرم ہیں اور خصوصی تعاون فرماتے ہیں ۔ کھُلا دستر خوان ہے ۔ احباب کی خدمت سے بہت خوش ہوتے ہیں ۔ ———— ۔ انہی دنوں ان کے دادا جان ۲۰۱ سال کی عمر میں انتقال کر گئے اور وہ علی الصبح فیصل آباد چلے گئے اور یوں ہماری یہ ملاقات ادھوری رہ گئی ۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے اور ان کے دادا جان کی مغفرت فرماتے اور اُن کی قبر کو جنت کا ٹکڑا بنائے ۔ آمین ۔

مرزا صاحب کا ایک ہونہار فرزند ہے ابوبکرؔ جو انگلش میڈیم سکول کا ہونہار طالب علم ہے ۔ گذشتہ

ماہ اُسے "اساتذہ سے حسنِ سلوک کا" انعام ملا جو پورے سکول میں منفرد انعام ہے۔ اس دور میں اساتذہ سے حسنِ سلوک ! سبحان اللہ۔ اللہ کرے ابو بکر نام اور کام کی نسبت سے اسم بامسمیٰ ہو۔

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

اقبال نے نسلِ نو کے لئے بھرپور دعا کی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کی اولادوں کے لئے یہ دعا قبول فرمائے۔ ناصر کاظمی بھی ایرانی ذوق کا شاعر تھا اور محض شاعر اس نے اپنے "ذوقِ نابالغ" کے لئے ایک شعر کہا تھا

بہت ہی سادہ ہے تو اور زمانہ ہے عیار
خدا کرے کہ تجھے شہر کی ہوا نہ لگے

ہمارا ماحول صرف مشینی دھوؤں، بسوں کے دھوئیں سے ہی آلودہ نہیں۔ اُن آلودگیوں کا مقابلہ تو ہمارے اجسام کر سکتے ہیں لیکن کلچر، ثقافت، عریانی، فحاشی، بے پردگی، گانے بجانے، ناچنے کودنے اور جنسی انارکی کی آلودگیوں سے نوجوانوں کا بچ نکلنا یا اُن کو بچا کر منزلِ مقصود تک لیجانا اب کسی کے بس میں نہیں رہا جس گھر میں جاؤ اسی آگ سے جھلسے ہوئے لوگوں کی سسکیاں اور ہچکیاں روح کو پگھلا رہی ہیں ہر ہوشمند اور باشعور شہری ان آلودگیوں کی گمبھیرتا کے سامنے پڑا سسک رہا ہے۔ اور جو لوگ اصلاحِ احوال کی فکر سے لیس ہو کر دعوتِ مبارزت دیتے نظر آتے ہیں۔ وہ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں وہ لوگ کبھی کبھی اور کہیں نظر آتے ہیں تو ڈھارس بندھ جاتی ہے اور جیسے ہی وہ آنکھ سے اوجھل ہوتے ہیں تو پہاڑ اوجھل ہو جاتے ہیں۔ دو قومی نظریہ کی اسلامی تشکیل کے بعد سرزمین پاکستان کا حصول لیکن پاکستان کے بیالیس سالہ اپوا کی تنظیم سے لیکر بینظیر سرکار تک اقدار، اخلاق اعمال اور عقائد کی پامالی و زبوں حالی پہلے کبھی ایسی تو نہ تھی۔ معاشی بدحالی بھی انہیں مظالم کا نتیجہ ہے جو قوم کسی گوشۂ حیات کے اخلاق پابند نہ ہوگی وہ زندگی کے کسی شعبہ میں بہتر نہیں ہو سکتی وہ اپنی قومی زندگی درست نہیں کر سکتی چہ جائیکہ قوموں کی رہنمائی کرے۔

مرزا صاحب کی دکان سے ہم مولانا محمد رمضان علوی مدظلہ کی خدمت میں اکال گڑھ پہنچے۔ مولانا خاندانی مولانا ہیں۔ آپ کے اجداد دینی خدمات کو فریضہ سمجھ کر صدیوں سے ادا کرتے چلے آرہے ہیں آپ کے

فرزند مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی بھی اسی وراثت کے زندہ و تابندہ وارث ھیں۔ مولانا ٹیرہ گو بزرگ ھیں انکی مجلسیں زندہ مجلسیں ھیں آدمی اُن کے پاس بیٹھ کر بور نہیں ہوتا۔ تذکرۂ اسلاف مولانا کا پسندیدہ موضوع گفتگو ہے مولانا ایک عرصہ سے جمہوری سیاست سے کنارہ کش ھیں وجہ پوچھی تو فرمایا کہ "ھم فقیر لوگ اس کوچہ میں جانے کا تصور نہیں کر سکتے۔ اس کوچہ و بازار کے باسی اگرچہ تہذیب کے مدعی ھیں۔ مگر شاہ صاحب اس میں اتنی عفونت اور سڑاند ہے کہ دماغ پھٹنے لگتا ہے اور دل گھٹتا ہے۔ اس بازار میں سے وہی گزر سکتا ہے جو ائیر کنڈیشنڈ بلٹ پروف پجارو میں سوار ہو اُسکے رنگین شیشے بند ہوں اندر والے سب کو دیکھیں انہیں کوئی نہ دیکھے"

مولانا نے دورانِ گفتگو مذھبی طبقاتی کشمکش پہ بھرپور وار کئے اور ھمیں بھی چونکا دیا۔ کہنے لگے :

"مولویوں نے بتھوری پروگرام کے ماتحت فروعی مسائل میں اتنی شدت پیدا کی کہ انسان نفرتوں کی آگ میں ڈھل گئے ایک واقعہ مجھے یاد آگیا کہ اہل حدیث مسلک کے لوگ احناف کی ایک مسجد میں جاتے اور آمین بالجہر کہتے یہ سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر ایک دن فتنہ برپا ہوگیا۔ اونچی آمین کہنے اور آہستہ آمین کہنے پر خوب تھو کا فضیحتی ہوئی بات بڑھی اور مقدمہ کچہری میں چلا گیا۔ افسر مجاز نصرانی تھا۔ بحث مباحثہ ہوا اور خوب ہوا۔ فیصلہ کے روز انگریز افسر نے کہا کہ ویل! مولانا صاحبان نے گفتگو اور بحث کے دوران ہم نے دونوں کے دلائل سنے اور اور بات سمجھ میں آئی کہ آمین بالسر کہنا اور آمین بالجہر کہنا آپ کے پرافٹ محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ثابت ہے مگر "آمین بالشر" کہنا کہیں سے ثابت نہیں لہٰذا آپ خاموش رہا کریں ورنہ اپنی نماز الگ پڑھیں۔ اور اب یہ عالم ہے کہ صلوٰۃ وسلام کی موجودہ صورت کا جو شخص قائل نہیں اُسے کافر کہا جارہا ہے اور مسجدوں پر قبضہ غاصبانہ کی بُری طرح ڈال دی گئی ہے۔ میرے پاس بڑے بڑے پیشہ ور واعظ آتے ہیں مگر میں نے کبھی کسی کو ایسی گفتگو کا موقع ہی نہیں دیا۔ میری اقتدار میں دیوبندی بریلوی اور اہل حدیث تینوں آرام وسکون سے نمازیں ادا کرتے ھیں میں نے کبھی اس مکروہ مہم میں حصہ نہیں لیا۔"

مولانا نے بہت ہی حسن سلوک فرمایا اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ مولانا کو اللہ پاک نے اولادِ صالح عطا فرمائی ہے جو مولانا کی فرماں بردار ہے اللہ سب علماء و صلحا کو اولادِ صالح دے۔

دوسرے روز بھی مولانا کے ہاں محفل جمی۔ مولانا نے حضرت پیر سید مہر علی شاہؒ کا جس کی آج کسی دیوبندی مولوی سے توقع کم ہی کی جاسکتی ہے۔ ——

ہے کہ جب مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم کے فرزند مولانا حامد رضا خان صاحب کا وصال ہوا تو قاری محمد طیب صاحب مرحوم نے آدھ گھنٹہ تک ختم قرآن کی محفل سجائی، ہم سولہ سولہ لڑکے تھے۔ اندازہ کیجئے کتنے قرآن اُنکے ایصال ثواب کیلئے پڑھے گئے ہوں گے۔ میں نے لقمہ دیتے ہوئے عرض کیا حضرت! مسٹر کوثر نیازی نے مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کے حوالہ سے اپنے کالم میں ایک واقعہ اس سے بھی اہم لکھا تھا کہ جب مولانا احمد رضا خاں صاحب کے انتقال کی خبر حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کو ملی تو مولانا نے فوراً ان کی مغفرت کی دعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے۔ اب نہ جانے ہمارے منبر و محراب کے وارثوں کو کیا ہوا کہ انہوں نے ایکدوسرے کے اکابر و اسلاف کو گالی گفتار اور دشنام والزام سے نوازنا شروع کر رکھا ہے اور جو مولوی اس فن میں اُستاد ہے وہی خطیب العصر ہے (انا للہ وانا علیہ راجعون!)

میں نے مزید عرض کیا کہ حضرت آج کل تو کمہار، میراثی، شیخ، بڑھئی، ارائیں سب اپنے آپ کو فاروقی عثمانی اور سید لکھ رہے ہیں اور کہلوا رہے ہیں۔ جو شخص ان مولویوں کو اس نام سے نہ لکھے اس کے خلاف یہ لوگ جاتے ہی نہیں۔ فرمانے لگے یہ باتیں قوموں کے زوال اور نکبت وادبار کی واضح علامتیں ہیں۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی کتاب علامات قیامت اور مشکوٰۃ شریف کی کتاب الفتن زیر مطالعہ ہے تو انسان بھٹکنے سے بچا رہتا ہے۔ مولانا کے ہاں سے اُٹھ کے میں احرار کے ایک اور بوڑھے کارکن صوفی غلام حسین صاحب کے ہاں گیا۔ صوفی صاحب ایک عرصہ سے سمو سے بیچتے ہیں اور معاشی جنگ میں مصروف ہیں۔ اب خوش حال ہیں (لیکن خشک نہیں ہیں) صوفی صاحب بھی اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق ابلاغ فکر میں مصروف رہتے ہیں ان کے ہاں مختلف فکر و نظر کے عوامی افراد آکے بیٹھتے ہیں اپنی بساط کے مطابق مجلس احرار کے ماضی و حال پر گفتگو ہوتی ہے۔ صوفی صاحب جس دور کی یادگار ہیں اس دور میں چونکہ احرار کا تقریری پروگرام بہت مضبوط اور مسلسل تھا وہ آج بھی اسی حوالے سے سوچتے اور عمل کو آگے بڑھاتے ہیں فرمایا آپ آئے تو ہیں ایک تقریر کر دیں میں نے انکی پیرانہ سالی کے پیش نظر یہ خواہش پوری کرنے کا وعدہ کر لیا۔ راولپنڈی اسلامیہ ہائی سکول کے پڑوس میں ایک مسجد کا انہوں نے فرمایا۔ اور میں عشاء کی نماز کے وقت وہاں پہنچ گیا۔ ۹ بجے بیان ہوا میں نے ایک گھنٹہ کے بیان میں انسان کے بنائے ہوئے ریاستی نظام کی خرابیاں، نقصانات اور کمزوریاں بیان کیں اور حکومتِ الٰہیہ کے فوائد، خوبیاں اور کمالات مختصراً بیان کئے کہ:

ہر نظامِ حکومت کا دعویٰ ہے کہ ریاست میں عدل، مساوات اور سوشل جسٹس قائم کرنا اس کی خوبی ہے لیکن کوئی سا نظامِ ریاست اس پر پورا نہیں اترتا کیونکہ عدل قائم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ صاحبِ عدل خود ضرورتوں اور حاجتوں سے بالاتر ہو کر یا کم سے کم قناعت والا ہو۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ امریکہ، روس، فرانس، برطانیہ اور دیگر ممالک کے سربراہ بلکہ ہماری وزیرِ اعظم بھی ذاتی ضرورتوں کو قومی ضرورتوں پر نہ صرف یہ کہ ترجیح دیتے ہیں اور اُن کے حصول کیلئے قوم کو ٹیکسوں کے آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا کر دیتے ہیں حکمرانوں اور سربراہوں کے اخراجات ہزاروں لاکھوں میں شمار نہیں ہوتے بلکہ کروڑوں تک پہنچتے ہیں پاکستان کی وزیرِ اعظم بے نظیر کے ایک دورۂ امریکہ کے اخراجات تین کروڑ کے قریب ہیں یہ نظامِ حکومت کی برائی ہے جس نے حکمران کو عام انسانی زندگی سے ممتاز، ماورا اور گرفت سے بالا رکھا ہوا ہے یہ لوگ معاشی عدل قائم کر ہی نہیں سکتے اس نظام میں عدلیہ کے تمام بڑے عہدے خالص سیاسی عہدے ہوتے ہیں وہ اپنی سیاسی وفاداریوں کو حکمرانوں کی سیاسی پسند و ناپسند کے ماتحت رکھتے ہیں یہ لوگ اس ریاستی نظام کی بنیادی خرابی کی وجہ سے عدالتی انصاف ہی نہیں دے سکتے چہ جائیکہ سستا انصاف دیں

مساوات کے لئے ضروری ہے کہ ریاست کے نظام کو چلانے اور قائم کرنے والے افراد خود کو ایک عام آدمی کے برابر سمجھیں اور ایک عام آدمی کی ضرورتوں کے مطابق اپنی ضرورتوں کا یقین کریں لیکن دائیں اور بائیں کی تقسیم کرنے والے انسانیت کے دشمنوں کے ہاں ایسا خوفناک عدمِ توازن ہے جس میں مساوات تو درکنار عام زندگی سے لگا کھانے کی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ ایک وکیل ایک شاعر ایک ادیب اور ایک صحافی پھر ایک اخبار کا مالک، مل مالک، جاگیردار، بیوروکریٹ اور حکمران۔ ان کا رہن سہن، طرزِ زندگی، معیارِ زندگی غرض (way of living) متوسط طبقے کے برابر نہیں چہ جائیکہ مزدور کسان، ریڑھی بان، کوچوان کے برابر ہو سکے ہر چند کہ حکمران کوچوان کے مساوی نہیں ہو سکتا مگر فرق و امتیاز کی بھی کوئی حد ہونی چاہیئے۔

سوشل جسٹس ایک لفظی دھوکا ہے جس سے ہم ایسے لوگوں کو بہلایا گیا ہے۔ بہاروں کا خوبصورت خواب

،کھاکر خزاؤں کی گہری کھائی میں پھینک دیا گیا ہے۔

ہمارے دور کی دنیا میں کوئی کام سوشل بنیادوں پر نہیں کیا گیا لوگوں کی ضرورت کے مطابق نہیں کیا گیا بلکہ حکمران کی منشاء یا زیادہ سے زیادہ حکمران پارٹی کے فیصلوں کے مطابق کیا گیا جس سے حکمرانوں یا حکمران پارٹی کے مستقبل کو محفوظ کیا گیا ہے اس کا نفع پورے قوم کو نہیں پہنچتا بلکہ حکمران پارٹی کے مخصوص افراد یا برادریوں کو براہ راست یہ نفع ملتا ہے۔ عوام جن کا نام جپا جاتا ہے وہ تو سیاسی خرمستیوں میں پسنے کیلئے ہیں۔

عدل و احسان، مساوات اور حقوقِ انسانی صرف اور صرف اللہ کے دین میں مل سکتے ہیں آج کے اس دورِ زوال میں بھی دین کی برکتیں اور مذکورہ نعمتیں اگر کہیں میسر ہیں تو صرف سعودی عرب میں ہیں۔ دیکھئے! ایک مثال سوشل جسٹس کی۔ ملاحظہ ہو کہ اسلام آباد کی زمینوں کی قیمت اصل مالکان کو دو ہزار روپے مرلہ کے حساب سے دی جاتی ہے جبکہ سرکاری قیمت اسی پلاٹ کی دو لاکھ روپے مرلہ ہے لیکن سعودی عرب میں اگر کسی کی ذاتی ملکیت قومی یا دینی مفاد کیلئے حکومت اپنے قبضہ میں لیتی ہے تو اس کے منہ مانگے دام اصل مالک کو ملتے ہیں۔ مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ میں حرمین کی وسعت کے لئے اگر کسی کی ذاتی ملکیت توسیع میں آگئی ہے تو اس کو وہی ملا جو اس نے مانگا۔ اور اس کا شمار لاکھوں میں ہے ہزاروں میں نہیں۔ آپ اگر پاکستان کو دینی ریاست بنانا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی نفسی اصلاح کریں اپنے اندر وہ جذبہ پیدا کریں جس سے آپ دوسرے انسان کو سکون، راحت، امن، اور محبت دے سکیں۔ اس انفرادیت سے اجتماعیت کو پیدا کریں جو قومی پیمانے پر عدل و احسان کو قائم و نافذ کر سکے۔ پھر دیکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے صحابہ جیسے معاشرہ کی تخلیق ہوئی ہے کہ نہیں۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ اس دور میں صحابہؓ جیسا معاشرہ کیونکر پیدا ہو سکتا ہے؟ تو ان سے عرض کیا کہ:

جناب! گفتگو کا مقصد مشابہت ہے۔ ادنیٰ مشابہت بھی مماثلت کے لئے کافی ہے جب معاشرہ میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حسن سلوک، مروت، انسانی خدمت جو بڑے وسیع